Fikr-o-Nasar (Islamabad) vol. 1:11 (1964) © rasailojaraid.com

محترم پرویز صاحب کی خدمت میں ایک گذارش

ڈاکٹر فضل الرحمٰن

ماہنامہ "طلوعِ اسلام" کی تازہ ترین اشاعت بابت اپریل ۱۹۶۴ء میں محترم پرویز صاحب نے بڑے شد و مد سے رسالہ کے سرورق پر چوکھٹے میں سرخ روشنائی سے "حدیث کے پرکھنے کا معیار" پیش کیا ہے انہوں نے مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "جو حدیث قرآن کے مطابق ہو اسے قبول کر لو اور جو اس کے خلاف ہو اسے رد کر دو" پھر اسی مضمون کی روایت شیعہ اصحاب کی کتاب استبصار سے بحوالہ ماہنامہ "ثقافت" نقل کی ہے۔ اور اس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "احادیث کے پرکھنے کے لئے طلوعِ اسلام کا یہی مسلک ہے۔"

یہاں پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "طلوعِ اسلام" نے احادیث کو پرکھنے کے لئے یہ مسلک کیوں اختیار کیا؟ اس کے لئے حجت کیا ہے؟ کیا مسند احمد بن حنبل کی روایتِ محوّلہ بالا جس کی تائید شیعی روایت استبصار سے ہو رہی ہے، حجت ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر مسند احمد بن حنبل کی دوسری تمام روایتیں بھی پرویز صاحب کے نزدیک مستند ہونی چاہئیں لیکن "طلوعِ اسلام" کے اب تک تمام صفحات اس کی تغلیط کرتے ہیں شاید شیعی روایت کی تائید نے اسے قابلِ استناد بنا دیا ہو۔ لیکن اس صورت میں شیعی روایات کو حجت ماننا پڑیگا جس کے لئے یقیناً محترم پرویز صاحب تیار نہ ہوں گے۔ تو آخر مسند احمد بن حنبل کی اس ایک روایت کو نہ صرف قبول کرنے بلکہ اسے دین کے اہم ترین اصول کے لئے معیارِ ردّ و قبول قرار دینے کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ سب جانتے ہیں کہ مسند احمد بن حنبل دورِ متقدمین کا مبسوط ترین مجموعۂ روایات ہے۔ اس کی صرف ایک روایت کو قبول کرنا اور اسے معیار قرار دینا اور بقیہ روایات کو رد کر دینا کیونکر ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود اس مزعومہ معیار کا اپنا معیار کیا ہے؟ فرض کیجئے، اگر کوئی حدیث اب ۱۹۶۴ء میں وضع کرلی جائے اور یہ خود پرویز صاحب کے اپنے بیان کردہ مفہوم قرآنی کے عین مطابق ہو، تو کیا یہ تازہ بتازہ حدیث ان کے لئے قابلِ قبول ہوگی؟ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہلانے کی مستحق ہوگی؟ یقیناً ہمارے محترم مدیرِ طلوع اسلام کا جواب نفی میں ہوگا۔ تو پھر ان کے اس معیار کو کس حد تک معیاری کہہ سکتے ہیں؟

ظاہر ہے کہ مفہوم قرآنی سے مطابقت رکھنے کے باوجود اس روایت کو رد کرنے کا صرف ایک سبب ہو سکتا ہے اس کا تاریخی صداقت سے محروم ہونا۔ تاریخی صداقت کی اس اہمیت سے پرویز صاحب کیوں گریز کر رہے ہیں؟

قرآن کا متن یقیناً متفق علیہ ہے لیکن اس میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کا مفہوم مختلف فیہ ہے، اور اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو صحاح کی تمام احادیث قرآن کے ان ہی مختلف فیہ مفاہیم کی آئینہ دار ہیں۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے ان مختلف فیہ مفاہیم میں سے وہ کونسا مفہوم ہے جسے پرویز صاحب احادیث کے پرکھنے کے لئے معیار قرار دیتے ہیں؟ کیا قرآن کا جو مفہوم محترم پرویز صاحب متعین کردیں وہی مفہوم صحیح ہے اور وہی احادیث کی صحت کے پرکھنے کا معیار ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے، تو گستاخی معاف، اسے علمی سادہ لوحی پر محمول کیا جائے یا ذہنی آمریت، یا دونوں پر؟ اگر جواب نفی میں ہے تو "احادیث کی صحت کے معیار" مفہوم قرآنی کی خود اپنی صحت کا معیار کیا ہے؟ کیا وہی احادیث کی صحت کا معیار نہیں ہو سکتا؟

راقم الحروف نے حدیث و سنت پر اپنے سلسلۂ مضامین میں بالتفصیل اور بہ تاکید یہ عرض کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب حدیثیں فی الجملہ ان کی سیرت اور سنت کی تعبیریں ہیں اور اسی لئے وہ حجت ہیں لیکن ان کی تاریخی حقیقت کو جاننے کے بعد ہی ہم انہیں بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور موجودہ حالات کے مطابق ان کی صحیح ترجمانی اور درست تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسی مفہوم کو ہم نے "سنتِ جاریہ" کی اصطلاح سے تعبیر کیا تھا جس میں پرویز صاحب کو پیچیدگی نظر آتی ہے۔ بات تو خاصی صاف اور سادہ ہے اس میں پیچیدگی آئی کہاں سے؟

سنتِ جاریہ کے اس مسلک سے جہاں ان احادیث کی تاریخی صحت کا التزام برقرار رہتا ہے وہاں ہم ان کی دینی افادیت سے محروم بھی نہیں ہوتے۔ یہ ضرور ہے کہ اس مسلک کے اختیار کرنے کے بعد ہر حدیث کو فرداً فرداً پرکھنے کے دوران میں اختلافِ آراء کی بڑی گنجائش باقی رہتی ہے لیکن ہم اس سے ہرگز نہیں گھبراتے۔ ہمیں اپنی رائے کی طرح دوسروں کی رایوں کا بھی پورا پورا احترام ہے۔ ہم مثبت فکر انگیزی کے قائل ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آراء کے اختلافات اور اس اختلاف کے احترام ہی سے اجتہاد کی راہیں کھل سکتی ہیں اور افہام و تفہیم کے بعد ہی اختلاف اجماع پر منتج ہو سکتا ہے۔ یقیناً یہ راہ دشوار بھی ہے اور دور بھی۔ لیکن ہمارے نزدیک ایک علمی کا ... سکا ... اگرچہ دور راست۔

© rasailojaraid.com